(۸)

(فرمودہ ۳۰۔جون ۱۹۱۹ء بمقام مسجد اقصیٰ قادیان)

يَاۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ [1]

عید کا دن تمام اقوام میں مشترک ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ سب قومیں عید مناتی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی نہیں کہ عید کی وہ عبادتیں جو ہم بجالاتے ہیں دوسرے بھی وہی عبادتیں کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام اقوام میں خوشی اور عید کا دن منایا جاتا ہے اور عجیب عجیب رنگ میں منایا جاتا ہے۔ پس ہر ایک قوم میں عید کا نشان ملتا ہے خواہ وہ ہند کے باشندے ہوں، خواہ تہذیب کے پرانے مرکز عراق و ایران، مصر و شام کے باشندے ہوں، خواہ امریکہ و آسٹریلیا اور افریقہ کے قدیم باشندے ہوں جن کے متمدن قوموں سے کوئی واسطہ نہیں رہا ان سب میں کسی نہ کسی رنگ میں عید منائی جاتی ہے۔ ہاں مختلف لوگوں نے اس کے مختلف نام رکھے ہوئے ہیں۔ بے شک ان میں عید نام نہیں۔ وہ اس کا نام میلہ رکھتے ہیں یا فیسٹول (Festival) یا کوئی اور نام رکھتے ہیں لیکن ایک دن چھٹی منانے کے لئے وقف ضرور کرتے ہیں جس میں جمع ہو کر وہ خوشی مناتے اور ایسی حرکات کرتے ہیں جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو۔ اور یہ عیدوں کا سلسلہ ایسا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے فطرت نے لوگوں کو مجبور کیا ہے۔ پس ہر ایک قوم میں عید کے نشان پائے جانے سے ثابت ہوا کہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو سب میں یہ بات نہیں پائی جاسکتی تھی۔ افغانستان میں ہندوستان کے قرب کے باعث اسی قسم کی تقریب ہو سکتی تھی لیکن امریکہ جس کا ہندوستان سے کوئی تعلق ہی نہ تھا اس کے باشندوں میں نہیں پائی جاسکتی تھی۔ پس سب اقوام میں تہواروں کا رواج ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑے بزرگ سے عید کا طریق سیکھا ہے۔ یا یہ فطرت کے تقاضا کے ماتحت ہے۔ بہر حال تہواروں کے مشترک طور پر تمام اقوام میں پائے جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات دو حال سے خالی نہیں یا تو کسی ابتدائی بزرگ سے سب نے سیکھا۔ یا یہ ایک

فطری تقاضا ہے۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی بہت سے کام ہیں جن کا اب ایک دوسرے میں نشان نہیں ملتا لیکن یہ ایک ایسا فعل ہے کہ اب تک سب میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے یہ ثبوت ہے اس کا کہ یہ فطرت کے صحیح تقاضوں کے ماتحت ہے اور محض وراثت میں ملی ہوئی بات نہیں کیونکہ اس کے ذریعہ فطرت کے ایک تقاضا کو پورا کیا گیا ہے۔ پس عید کوئی معمولی چیز نہیں یہ ایک فطرت کا تقاضا ہے۔ نیچر مجبور کرتی ہے اور انسان کے دل میں ایک خواہش پائی جاتی ہے۔ اور یہ صحیح فطرت ہے کیونکہ بعض فطرتیں اصل میں رسوم کے ماتحت پیدا ہو جاتی ہیں ان کو فطرت نہیں کہا جاتا بلکہ وہ عادت کے طور پر کسی ایک قوم میں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ عام طور پر وقتی ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ مگر یہ وہ فطرت ہے جس پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام مذاہب کے لوگوں نے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ اور جو باتیں فطرت نہیں ہوتیں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حقیقی فطرت نے مجبور کیا کہ وہ ایک دن ایسا رکھیں جس میں جمع ہو کر خوشی منائیں۔ تو خواہ لوگ مذاہب کے پابند ہوں یا نہ ہوں سب نے اس قسم کے ایام رکھے ہوئے ہیں۔ کسی نے میلے بنائے ہیں اور بعض قوموں نے عیاشی کے رنگ میں یہ دن رکھا ہے۔ بہرحال دن سب نے رکھا ہے کیونکہ فطرت کی طرف سے تقاضا ہے کہ ایسا دن ہونا چاہئے۔ یہ اتنا بڑا تقاضا ہے کہ جس کو مذاہب نے قبول کیا ہے اور جہاں مذاہب نہیں وہاں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس کی کیا غرض ہے اور یہ کیوں پایا جاتا ہے۔ یہ تقاضا خدا نے انسان کی طبیعت میں رکھا ہے۔ وہ تقاضا پکار پکار کر کہتا ہے کہ ایسا کوئی دن ہونا چاہئے جس میں ادنیٰ، اعلیٰ، جاہل، عالم، متمدن و غیر متمدن سب مل کر خوشی منائیں اس کے لئے ہم اس زبان کی طرف جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے طور پر انسان کو سکھائی اور وہ عربی زبان ہے۔ اس میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ فطرت کے تقاضوں کو لفظوں کے ذریعہ پیش کرتی ہے۔ عید عربی زبان کا لفظ ہے [۲] اور اس کے معنے ہیں وہ خوشی اور راحت اور برکت کا دن جو انسان کے دل میں یہ بات پیدا کرتا ہے کہ وہ خواہش کرے کہ یہ دن پھر بھی اس پر آئے۔ عید عود سے نکلا ہے تو عید وہ دن ہوا جس کے بار بار آنے کی خواہش کی جائے اور چاہا جائے کہ یہ دن بار بار آئے۔ [۳]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے دن ہوتے ہیں جن کے بار بار آنے کی خواہش کی جاتی ہے۔ بعض دن تو اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق انسان انتظار کرتا ہے کہ یہ کب ختم

ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے متعلق انسان کہتا ہے کہ کب سورج چڑھے اور یہ کب گزریں۔ عید ان دنوں میں سے نہیں جن کے ختم ہونے کی خواہش کی جاتی ہے بلکہ یہ ان دنوں میں سے ہے جن کے متعلق آرزو کی جاتی ہے کہ وہ پھر پھر کر آئیں۔ وہ گھڑیاں جن میں انسان دکھوں اور مصیبتوں سے بچا ہوا ہو۔ وباؤں' ابتلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ ہو۔ راحتیں اور آرام میسر ہوں اس کے اور اس کے عزیزوں اور اقارب میں ہر طرح خوشی و خورمی ہو اس دن کو عید کہتے ہیں۔

تو عید کے معنے ہوئے وہ دن جس میں انسان ابتلا سے بچ جائے اور جب انسان دکھ سے اور آفت سے بچ جاتا اور اس کو سکھ پہنچ جاتا ہے تو وہی دن اس کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور وہی گھڑی اور وہی ساعت اس کے لئے عید کی ساعت ہوتی ہے۔ رنج اور دکھ اور آفت کا دن عید کا دن نہیں ہوتا۔ جو شخص بلاؤں میں سے گذر رہا ہو اس کے لئے عید نہیں۔ عید اسی کی ہے جو راحت اور آرام میں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عید محض اجتماع کا نام نہیں کیونکہ جنازہ پر بھی اجتماع ہوا کرتے ہیں اور اس اجتماع کے دن کے متعلق تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ دن دوبارہ ہم پر نہ آئے اور خدا یہ دن نہ لائے۔ پرسوں اترسوں ہی ایک جنازہ پر بڑا اجتماع ہوا تھا مگر تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ دن پھر تم پر آئے اور اس دن کو تم عید نہیں کہتے مگر آج کے دن کو عید کہتے ہو۔ اگرچہ اس دن تمہاری زبانیں یہ نہیں کہتی تھیں کہ یہ دن نہ آئے لیکن تمہارے دل یہی کہتے تھے کہ یہ دن نہ آئے۔ اس کے مقابلہ میں آج کے دن کے لئے تمہاری خواہش ہے کہ خدا کرے یہ دن پھر بھی ہم پر آئے کیونکہ تمہارے نزدیک یہ دن تمہارے لئے خوشی کا دن ہے۔

عید کے معنے جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ دوبارہ لوٹ کر آنے کے ہیں۔ اس مفہوم کو دل میں جگہ دو اور سوچو کہ کیا واقع میں تم سچ مچ خواہش رکھتے ہو کہ یہ دن تم پر پھر بھی آئے۔ کسی چیز کی خواہش کرنے کے معنے یہ ہوا کرتے ہیں کہ ایسی چیز جو اَب اپنے پاس نہیں اس کو حاصل کیا جائے۔ اور جو چیز اپنے پاس ہو' اس کی خواہش نہیں کی جاتی۔ مثلاً وہ شخص جس کے پاس روپیہ ہو' وہ روپیہ کی آرزو نہیں کرتا۔ خواہش اسی چیز کی ہوتی ہے جو چیز میسر نہ ہو اور جس چیز کا لانا اور لینا اُپنے اختیار میں نہ ہو۔ مثلاً آج لوگ کپڑے پہنتے ہیں' آج لوگ اچھے کھانے کھاتے ہیں' آج لوگ جمع ہوتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی عید نہیں کیونکہ یہ تینوں چیزیں

ان کے اپنے اختیار میں ہیں۔ انسان جب چاہئے ان کو عمل میں لا سکتا ہے' جب چاہئے آج ہی کی طرح اچھے کپڑے پہن سکتا ہے' جب چاہئے آج ہی کی طرح اچھا کھانا کھا سکتا ہے اور لوگ جب چاہیں جمع ہو سکتے ہیں۔ ان باتوں میں سے کسی بات کے لئے بھی کوئی شخص مجبور نہیں کہ وہ ایک وقت میں کر سکتا ہو اور دوسرے وقت میں نہ کر سکتا ہو کیونکہ جس کے پاس کچھ ہو گا وہ جب چاہے گا یہ چیزیں مہیا کر لے گا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ باتیں تو عید نہیں اور نہ ان کے لئے بار بار کی خواہش ہو سکتی ہے کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں ہیں۔ پھر چھٹی کا نام عید نہیں یہ بھی انسان جب چاہے منا سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عید کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کے قبضہ اور اختیار میں نہیں ہے کیونکہ انسان عید کے لئے خواہش کرتا اور دعائیں مانگتا ہے کہ وہ دن آئے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ چیزیں عید نہیں بلکہ حقیقی عید کے لئے کچھ نشان ہیں جن سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ حقیقی عید وہ ہوتی ہے جس میں دل خوش ہو نہ کہ اچھے اور سفید کپڑے پہننے کو عید کہا جاتا ہے۔ یوں تو مُردہ کو بھی سفید کفن پہنایا جاتا ہے مگر کیا اس دن کو کوئی عید کہتا ہے۔ پھر اجتماع کا نام بھی عید نہیں کیونکہ مُردہ پر بھی اس کے رشتہ دار اور اس کے دوست آشنا جمع ہوتے ہیں۔ مرنے والے کے وارثوں کے لئے اس کا گھر میں اکیلے چارپائی پر پڑے رہنا زیادہ خوشی کا موجب ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اس کے مرنے پر لوگ اس کے اردگرد جمع ہوتے ہیں کیونکہ جب تک ان کے ہاں ایسا اجتماع نہیں ہوا تھا ان کو خیال تھا کہ یہ ہم میں ہے لیکن اس اجتماع کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ اب دنیا میں ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گیا۔ پھر عمدہ کپڑے پہننا بھی خوشی کی بات نہیں کیونکہ مُردہ کا کفن بھی سفید ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ عمدہ کپڑوں کے نیچے ایک غمگین اور افسردہ اور روتا ہوا دل ہو۔ اسی طرح کھانا بھی وہی اچھا ہوتا ہے جو خوشی کا کھانا ہو۔ اگر خوشی نہیں تو ہر عمدہ سے عمدہ کھانا حلق سے بمشکل اُترے گا۔ دکھوں اور آفتوں میں مبتلا دل کے لئے کوئی کھانا عمدہ نہیں لیکن جو شخص خوش و خرم ہو اس کے لئے جنگل کے پتے زیادہ خوشی اور راحت کا باعث ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے دل کو آرام اور سکھ اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک میلے کپڑوں والا جس کا دل آرام میں ہے اس عمدہ پوشاک والے کی نسبت جس کے دل میں اطمینان نہیں راحت میں ہوتا ہے۔

تو عید کے معنے دل کی خوشی اور راحت کے ہیں اور جس کا حاصل کرنا فطرت کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی خواہش سب میں پائی جاتی ہے۔ پس عید کے معنے کپڑے پہننا

نہیں۔ یہ تو درحقیقت ایک نشان ہے یا جھوٹی خوشی۔ جیسا کہ جب بچہ کی ماں اس سے جُدا ہو جائے تو وہ روتا ہے اور اس کو بہلانے کے لئے اس کے ہاتھ میں کھلونا دے دیتے ہیں جس سے وہ عارضی طور پر بہل جاتا ہے لیکن پھر رونا شروع کردیتا ہے۔ اسی طرح یہ عید چونکہ اصل عید نہیں اس سے عارضی اور آنی طور پر انسان خوش ہو جاتا ہے لیکن پھر اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اصل چیز تو اس کو حاصل نہیں ہوئی۔ پھر لوگ ایک سال کے بعد جمع ہوتے ہیں اور دل بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے ایک دن یا ایک گھنٹہ یا چند گھنٹہ کے لئے خوش ہو جاتے ہیں اور پھر ان کو افسوس ہوتا ہے۔ دراصل اگر صحیح راستہ پر نہ چلا جائے تو راحت میسر نہیں ہو سکتی۔

اسلام نے تقاضۂ فطرت کو پورا کرنے کے لئے دو عیدیں رکھی ہیں جو ہمارے ملک میں ایک بڑی عید اور ایک چھوٹی عید کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ یعنی عیدالفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان دونوں عیدوں میں ایسی عبادتیں لگائی گئی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان خدا کو پالیتا ہے۔ اور چونکہ حقیقی خوشی وہی ہے جس میں خدا مل جائے اور اسلام نے جو عید رکھی ہے اس میں خدا کو پانے کے گُر بتائے ہیں۔ اس لئے اس کے واسطے یہ خواہش کرنا بجا ہے کہ یہ دن بار بار لوٹ کر آئے۔ یہ دن ہے جس میں حقیقی راحت کا نشان ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ تم اس راستہ پر چل کر خدا کو دیکھ لوگے اور جب تک وہ دن تم پر نہ آئے کہ تم خدا کو دیکھ لو اُس وقت تک تمہارے لئے کوئی عید کا دن نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام نے چونکہ ان عیدین کو حقیقی عید کا نشان رکھا ہے اس لئے ان سے ایک حد تک دل کو سچی راحت پہنچتی ہے اور ان سے خدا تعالیٰ کے پانے کا پتہ چلتا ہے۔

ہماری عید کیا ہے؟ یہ کہ ہمارا محبوب ہمارا خدا ہمیں مل جائے۔ جو شخص کوشش کرتا اور محنت برداشت کرتا ہے اس کو اس کا خدا مل جاتا ہے اور پھر ایسا آرام اور ایسی خوشی حاصل ہو جاتی ہے کہ جسے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ دیکھو عیدالفطر کے لئے اسلام نے ایک ماہ کے روزے فرض قرار دے کر خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جسمانی قربانی ضروری رکھی ہے۔ [۵] اور دوسری عید پر انسان ظاہری قربانی کرتا ہے جو کہ اس بہت بڑے انسان کے نمونہ کی یادگار میں ہوتی ہے جس نے خدا کے لئے اپنا بیٹا ذبح کرنا چاہا۔ [۶] مگر خدا نے اس کی جگہ جانور ذبح کرا دیا۔ [۷] اور آئندہ کے لئے مقرر کر دیا کہ جانوروں کی قربانیاں کی جایا کریں۔ تو اس عید پر

بکرے ذبح کرنا دلیل ہوتا ہے اس امر کے لئے کہ اس بندے کو جو قربانی کرتا ہے خدا کے رستہ میں اگر اپنا سر بھی دینا پڑے تو اس میں توقف نہیں کرے گا۔ یہ اسلام کی مقرر کردہ عیدوں کی حقیقت ہے۔ مگر اور لوگوں کی عیدیں اپنے اندر یہ حقیقت نہیں رکھتیں اس لئے ان میں جو خوشی منائی جاتی ہے وہ راحت بخش خوشی نہیں ہوتی کیونکہ ان کی عیدیں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسا کہ روتے ہوئے بچہ کو ایک کھلونا دے دیا جائے جس سے وہ تھوڑی دیر کے لئے بہل جائے۔
یوں تو اسلام کی عیدیں بھی حقیقی اور اصلی خوشی حاصل کرنے کا نمونہ ہی ہیں۔ لیکن دوسروں کی خوشی کے نمونہ اور ان میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ان کے میلے اور تہوار محض نمونہ ہی نمونہ ہیں جن کے بعد ان کے لئے حسرت و افسوس ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی عید ایسی ہوتی ہے کہ وہ چیز جس کی انسان کو تلاش ہے اس کے بہت قریب کردیتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک شخص کے محبوب کا مجسمہ بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے اور وہ اس کو لپٹ کر خوش ہولے کہ میرا محبوب مجھ کو مل گیا لیکن ایک دوسرے شخص کو ایسے رستہ پر ڈال دیا جائے جس پر چل کر وہ اپنے محبوب تک پہنچ سکتا ہو اور پھر اس کو اس کے محبوب کے دروازے پر پہنچا دیا جائے اور پردہ اٹھا کر دکھا دیا جائے کہ وہ ہے تیرا محبوب۔ اب اور کوشش کر اور اس دروازے سے گذر کر اپنے محبوب سے مل لے۔ اب وہ شخص جس کے پاس صرف بے جان مجسمہ ہے اس کی خوشی تھوڑی دیر کے بعد مایوسی سے بدل جائے گی۔ لیکن وہ جو پہلے کی نسبت اپنے محبوب کے زیادہ قریب پہنچ گیا ہے اس کی خوشی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ غیروں کی عیدوں میں جو خوشی ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسے ایک بُت پر کوئی شخص فدا ہو جائے لیکن ہماری عیدیں وہ ہیں جن میں ایک صحیح راستہ پر چلایا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ ہمیں ہمارا خدا دکھایا جاتا ہے اور پھر ہماری دعاؤں میں قبولیت اور ہم میں تقویٰ پیدا کیا جاتا ہے۔
پس ہماری عید کی یہی غرض ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہمیں ہمارا خدا مل جائے اور اس کے ملنے کا یہ طریق ہے کہ اس کے لئے قربانیاں کی جائیں۔ اگر ہم اس غرض کو یاد رکھیں تو ہماری عید عید ہے ورنہ جھوٹے طرز پر خوش ہونا رنج اور دکھ کو اور بڑھا دیتا ہے۔
یاد رکھو آرام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان دکھ اور مصیبت کو بھلانے کی کوشش کرکے آرام پانا چاہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جس چیز سے تکلیف ہے اس کو دور کرنے کے لئے محنت اور مشقّت بجالاتا ہے۔ مثلاً پہلا شخص جو دکھ کو بُھلا کر آرام پانا چاہتا ہے وہ افیون کھاتا

ہے یا شراب پی لیتا ہے اور اس طرح اپنا غم غلط کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی قوتوں میں ایک تعطّل واقع ہو جاتا ہے۔ اور گو اس کو وہ تکلیف ایک وقت تک کے لئے بھول جاتی ہے لیکن جب وہ ہوش میں آتا ہے تو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور دوسرا شخص جو اپنی تکلیف یوں بھلانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنے رنج و غم اور دکھ کو جو اس کو کسی نقصان کے ذریعہ پہنچا ہو دور کرنے کیلئے محنتِ شاقّہ برداشت کرتا ہے اور اُس نقصان کو پورا کرلیتا ہے ان دونوں کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور حقیقی آرام اور سُکھ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو تکلیفوں کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ اگر تم کو رنج پہنچے تو اس کو بھلا دینے کی کوشش کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ محنت کے ذریعہ اس کی تلافی کرو۔ اسلام یہ نہیں جائز رکھتا کہ اگر تم پر قرض ہے تو اس کے غم کو بھلانے کے لئے شراب پیو بلکہ یہ کہتا ہے کہ محنت کرو اور کوشش اور سعی کرکے خوشی حاصل کرو۔ چنانچہ دونوں عیدوں میں محنت رکھی گئی ہے۔

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ **يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ** یہ وہ عید ہے جس کی طرف مومن کے لئے اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا دن جس میں وہ نفسِ مطمئنّہ ہو جائے۔ اس کی اضطرابی حالت اطمینان سے بدل جائے۔ یہ ہے اصل عید کا دن جس کے آنے کی انسان کو خواہش کرنی چاہئے اور یہ وہ دن ہے کہ جب آتا ہے تو پھر جاتا نہیں۔ مطمئنہ حالت سے یہ مراد نہیں کہ حرکت بند ہو جائے کیونکہ حرکت سے ہی تو انسان ترقی کرتا ہے۔ عام طور پر لوگوں نے حرکت کے نہ ہونے کا نام اطمینان رکھا ہوا ہے حالانکہ حرکت نہ ہونے اور اطمینان میں بہت بڑا فرق ہے۔ اطمینان اس حرکت کو کہتے ہیں جس میں تزلزل نہ ہو۔ ورنہ یوں تو حرکت کے بغیر کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور حرکت سے ہی ترقی ہوتی ہے۔ دیکھ لو رسول کریم ﷺ کے لئے ہر روز دعائیں کی جاتی ہیں اور دم بہ دم روحانی مدارج میں ترقی کر رہے ہیں یہ آپ کی حرکت ہے لیکن اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپؐ کو اطمینان نہیں۔ پس اطمینان وہ حالت ہے جس میں اضطراب و تزلزل نہ ہو۔ اور یہ وہ حرکت ہوتی ہے جو آگے کی طرف بڑھاتی ہے لیکن اطمینان کے بغیر جو حرکت ہوتی ہے وہ نیچے کی طرف گراتی ہے۔ دیکھو جب چلنے والے کو اطمینان ہوتا ہے تو وہ عمدگی سے چلا جاتا ہے لیکن جب اسے اطمینان نہ ہو تو اس کے قدم

ڈگمگاتے ہیں اور گرنے لگتا ہے۔ تو نفسِ مطمئنہ میں کون سی حرکت ہوتی ہے؟ وہ جو گرنے کے خلاف ہو جس میں ثبات ہو۔ فرمایا۔ اے نفسِ مطمئنہ! تو خدا کی طرف جا کیونکہ تیرا خدا تجھ سے راضی ہو گیا اور تو خدا سے راضی اور میرے بندوں میں داخل ہو جا کیونکہ تجھ کو یہ انعام دیا جاتا ہے کہ تو جنت میں داخل ہو۔ اور جنت وہ مقام ہے جہاں جس کو داخل کیا جاتا ہے پھر اسے نکالا نہیں جاتا اور دنیا میں بھی جس کو جنت ملتی ہے وہ اس سے نکالا نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو خاص رُتبے اور درجے خدا کی طرف سے بندوں کو دنیا میں دیئے جاتے ہیں ان سے وہ معزول اور موقوف نہیں کئے جا سکتے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت نہیں جس نے کبھی نبیوں اور ان کے خلفاء کو ان کے درجہ سے ہٹا دیا ہو کیونکہ وہ ایسی جنت میں داخل ہوتے ہیں جس میں داخل ہونے والا نکالا نہیں جا سکتا۔ دیکھو دنیا نے نبیوں کے خلاف کس قدر زور لگائے کہ ان کو مٹا دیں اور ان کو ان کے درجہ سے موقوف کر دیں مگر وہ جس جنت میں خدا کی طرف سے داخل کئے گئے اس سے ہرگز نہ نکالے جا سکے۔ پھر لوگوں نے خلفاء کے مقابلہ میں کس قدر زور لگائے اور ان کو موقوف کرنے کے لئے کس قدر کوششیں کیں مگر وہ موقوف نہ ہوئے۔ دنیا کے ایسے بادشاہ موقوف ہو گئے جن کی حفاظت کے لئے زبردست سے زبردست باڈی گارڈ تھے لیکن خلفاء کو کوئی موقوف نہ کر سکا۔ حضرت عثمانؓ ۸ سے بہت چاہا گیا کہ وہ خلافت سے علیحدہ ہو جائیں مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ یہ خلافت کی قباء مجھے خدا نے پہنائی ہے میں اس کو اتار نہیں سکتا۔ ۹ اس پر دشمنوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس طرح گو آپؓ کی ظاہری حیات باقی نہ رہی لیکن جس جنت میں خدا تعالیٰ نے آپؓ کو داخل کیا تھا اس میں سے آپؓ کو کوئی نہ نکال سکا۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپؓ کے دشمن آپؓ سے یہ تو کہتے رہے کہ آپؓ خلافت سے علیحدہ ہو جائیں لیکن یہ نہیں کر سکے کہ بالمقابل کسی کو خلیفہ بنا دیا ہو۔ تو خدا جس جنت میں اپنے بندوں کو داخل کرتا ہے اس سے کوئی نکال نہیں سکتا۔

فرمایا اگر اس جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کا ایک ہی طریق ہے کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ جب خدا کے عبد ہو جاؤ گے تو جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے اور پھر ایسے داخل ہو گے کہ کبھی نکالے نہ جاؤ گے۔ ہاں اس میں جو داخل ہو جاتا ہے اس کے لئے ہر روز ترقی کا روز ہے اور جو دن اس پر چڑھتا ہے وہ عید کا ہی دن ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جب آپ نے اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسا عید کا دن چڑھایا کہ جو پھر غروب نہ ہوا۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کو ہزار ہا قسم کی تکلیفیں پہنچائیں لیکن آپؑ کو اس جنت سے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو داخل کیا تھا نہ نکال سکے۔ آپ پر ایسے ایسے شدائد آئے کہ جن سے کمر ٹوٹ جائے لیکن دنیا کے کسی بڑے سے بڑے حادثہ نے آپ پر کوئی اثر نہ کیا۔ گورداسپور میں جن دنوں مقدمہ تھا میں تو چھوٹا تھا لیکن بعض دوستوں نے سنایا ہے کہ ایک صاحب بھاگے ہوئے آئے اور کہا کہ حضور اِجج تو اس بات پر آمادہ ہے کہ چاہے ایک ہی دن کی سزا دے مگر دے ضرور تا کہ اپیل بھی نہ ہو سکے۔ اس پر کہا گیا کہ کسی طرح صلح کر لینی چاہئے۔ اس وقت حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ آپ اُٹھ بیٹھے اور کہا کہ وہ خدا کے شیر پر کیا ہاتھ ڈالے گا۔ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں۔ خدا کے نبی خدا کے شیر ہوتے ہیں ان پر ہاتھ ڈالنا اپنی ہلاکت کا سامان کرنا ہے۔ [۱۰]

اسی طرح جن دنوں کلارک کا مقدمہ تھا۔ [۱۱] میری عمر اُس وقت دس سال کے قریب تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اوروں کو دعاؤں کے لئے کہا تو مجھے بھی کہا کہ دعا اور استخارہ کرو۔ میں نے اس وقت رؤیا میں دیکھا کہ ہمارے گھر کے ارد گرد پہرے لگے ہوئے ہیں۔ میں اندر گیا جہاں سیڑھیاں ہیں وہاں ایک تہہ خانہ تھا میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب کو وہاں کھڑا کر کے آگے اُپلے چن دیئے گئے ہیں اور ان پر مٹی کا تیل ڈال کر کوشش کی جا رہی ہے کہ آگ لگا دیں مگر جب دیا سلائی سے آگ لگاتے ہیں تو آگ نہیں لگتی۔ وہ بار بار آگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ میں اس سے بہت گھبرایا لیکن جب میں نے اس دروازہ کی چوکھٹ کی طرف دیکھا تو وہاں لکھا تھا کہ "جو خدا کے بندے ہوتے ہیں ان کو کوئی آگ نہیں جلا سکتی"۔ غرض مصائب پر مصائب آئے مگر وہ اس طرح گذر گئے جس طرح جسم پر اُنڈیلا ہوا گھڑے کا پانی گذر جاتا ہے۔

پس ان کے لئے جو خدا کے عبد ہوں ہر روز عید کا روز ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی مصیبت ان پر اثر نہیں ڈال سکتی کیونکہ ان کو دل کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص جس کا دل دکھوں اور آفتوں میں گھرا ہوا ہو اور جس کا دل آفتوں کا شکار ہو' وہ خواہ اچھے کپڑے پہن لے' اچھا کھانا لے' اس کے لئے کوئی عید نہیں ہے۔ ان کے مقابلہ میں خدا کے بندے ایک ایسے

باغ میں ہوتے ہیں جہاں کوئی آفت اثر نہیں کر سکتی۔ وہ ہر دکھ سے محفوظ ہوتے ہیں اور ایسے مصائب جو دنیا کی کمر توڑ دینے والے ہوتے ہیں ان پر کوئی اثر نہیں کرتے۔

مبارک احمد جس دن فوت ہوا۔ [۲] میں پاس ہی تھا میں نے دیکھا کہ حضرت مولوی صاحب نبض دیکھ رہے تھے۔ [۳] کہ یہ کہتے ہوئے کہ حضرت مُشک لاؤ۔ حضرت مشک لاؤ لڑکھڑا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب [۴] نے ٹرنک کھولا۔ آخر آپ سمجھ گئے کہ فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے کاغذ اور قلم دوات لے کر خطوط لکھنے شروع کر دیئے [۵] جن میں لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے لکھا۔ مبارک احمد کی وفات خدا کا ایک نشان ہے کیونکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا نے کہا تھا کہ یہ چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے گا۔ [۶]

حضرت مولوی صاحب نے بعد میں فرمایا کہ اُس وقت میری حالت اس لئے ایسی ہو گئی تھی کہ میں نے خیال کیا کہ حضرت صاحب کو جو اس سے اتنی محبت ہے اور اب یہ فوت ہو گیا ہے تو اس سے آپ کی طبیعت پر بہت اثر پڑے گا۔ اس خیال سے میری حالت غش کے قریب پہنچ گئی تھی اور اگر میں کھڑا رہتا تو ضرور غش کھا کے گر جاتا۔ ایسا ہی اور لوگوں کا اس وقت خیال تھا کہ خدا جانے اس واقعہ کا حضرت صاحب پر کیا اثر ہوتا ہے مگر آپ کے چہرے پر کوئی رنج و غم نہ تھا نہ کوئی آنسو آپ کی آنکھوں میں تھا۔

یہ عید ہے جو مومن کو حاصل ہونی چاہئے۔ ورنہ یہ عید نہیں کہ کپڑے سفید پہن لئے جاویں۔ جب دل رنج میں ہو تو عید کیسے ہو سکتی ہے۔ عید اسی کی ہے جس کا دل خوش ہو۔ اور دل اسی کا خوش ہو سکتا ہے جس کو اس کا خدا مل جائے یا اس کے حصول کے ذرائع مل گئے ہوں۔ اور جو خدا کے انعام کا وارث ہوتا ہے دنیا اس کو دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے کیونکہ خدا کے عبد کے لئے کوئی رنج نہیں۔ وہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے اور ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں خدا اس سے راضی اور وہ خدا سے راضی۔ یہ عید اس کے لئے خدا کی رضا کے لئے نشان ہو جاتی ہے اور خدا کے فرشتے اس کے محافظ اور پہرہ دار ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو ایسی ہی عید نصیب کرے۔

(الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۹ء)

---

[۱] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

[۲] منن الرحمٰن: صفحہ ۱۲۔ ۱۳

[۳] مفردات امام راغب زیر لفظ "عود"

۴ یہ جنازہ غالباً ماسٹر محمد زمان صاحب ٹیچر ہائی سکول کا تھا۔ جنہوں نے ۲۷۔ جون ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔ (الفضل ۲۸۔ جون ۱۹۱۹ء صفحہ ۱)

۵ البقرۃ: ۱۸۴ ۶ الصّٰفّٰت: ۱۰۳

۷ مستدرک للحاکم بحوالہ تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۸۰

۸ خلیفہ رسول اللہ الثالث عثمان بن عفان۔ بنو عبدالشمس۔ ۴۷ ق ھ/ ۵۲ ق ھ ۵۷۱ء۔۵۷۵ء خلافت ۲۴ھ تا ۳۴ھ ۶۴۴ء تا ۶۵۶ء

۹ ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ بن عفان

۱۰ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۹۳ تا ۹۸ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۹۶۔ ۳۹۵۔ یہ واقعہ مولوی کرم دین آف بھین ضلع جہلم کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف دائر کردہ دوسرے فوجداری مقدمے کے دوران پیش آیا۔ اس مقدمہ کی سماعت گورداسپور میں ۴۔ ۱۹۰۳ء میں ہوئی۔

۱۱ مسیحی منّاد پادری ہنری مارٹن کلارک۔ (۱۹۰۰ء) نے عبدالحمید خان نامی ایک شخص کو اپنا آلہ کار بنا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اقدامِ قتل کا مقدمہ امرتسر میں دائر کیا تھا۔ اگست ۱۸۹۷ء میں اس مقدمہ کی سماعت ڈپٹی کمشنر گورداسپور کیپٹن ایم ولیم ڈگلس (۱۸۶۴ء۔ ۱۹۵۷ء) کی عدالت میں ہوئی عدالت نے حضور علیہ السلام کو اس الزام سے باعزت بری قرار دیا۔ (روحانی خزائن جلد ۱۳ کتاب البریہ صفحہ ۲۳۲ تا ۲۶۱)

۱۲ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۱۴۔ جون ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے اور ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۷ء کو سوا آٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (بدر ۱۹۔ ستمبر ۱۹۰۷ء)

۱۳ حضرت مولوی صاحب سے مراد حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول (بیعت ۱۸۸۹ء وفات ۱۹۱۴ء) ہیں

۱۴ حضرت صاحب سے مراد حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۰۸ء) ہیں۔

۱۵ خطوط بنام حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب و حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری (مکتوبات احمد جلد پنجم حصہ پنجم مکتوب نمبر ۱۵۰، ۱۷۵)

۱۶ تذکرہ صفحہ ۳۴۱ مطبوعہ ۱۹۵۶ء الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ۔